ڈاکٹر محمد ایوب قادری

اسلام اور تجارت

وسائلِ معیشت میں زراعت کے بعد دوسرا درجہ تجارت کا ہے جو اقتصادی نظام کا جزوِ اعظم ہے، اس لیے اسلام میں اس کی خاص طور سے ترغیب دی گئی ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔ (جمعہ: ۱۰)

جب نماز پوری ہو جائے تو زمین پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ (النساء: ۲۹)

آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ لیکن باہمی رضا مندی سے تجارت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ۔ (البقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو! تم خرچ کرو ان پاک چیزوں میں سے جو تم نے کمائی ہیں۔

حتیٰ کہ حج کے موقع پر بھی تجارت کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا گیا:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ (البقرہ: ۱۹۸)

اس کا تمھیں کچھ گناہ نہیں کہ (حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے رب سے روزی حاصل کرو۔

اگر ہم تجارت کے متعلق احادیث نبویؐ پر نظر ڈالیں تو ایک بڑا ذخیرہ ملتا ہے۔ محدثین عظام اور فقہائے کرام نے خاص طور سے "باب التجارت" قائم کرکے اس بارے میں تمام احکام کی وضاحت کی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "سچے اور امانت دار تاجروں کا حشر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا" ایک اور حدیث میں کپڑے کی تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے اس کا نفسیاتی پہلو بھی بیان کر دیا ہے "کپڑے کی تجارت کرو کیوں کہ کپڑے کا تاجر چاہتا ہے کہ لوگ ـــــ خوش حال اور فارغ البال رہیں"۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت لے کر گئے، فروخت کیا، جس میں کافی نفع ہوا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کپڑے کی تجارت

کی، بلکہ خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد بھی جب صدیق اکبرؓ کپڑے کی گٹھری لے کر چلے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے منع فرمایا اور پھر بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا - اسی طرح دوسرے خلفائے عظام اور صحابہ کرام نے تجارت کو اپنا ذریعۂ معاش قرار دیا۔

قبل از اسلام

عرب میں اسلام سے قبل تجارت کی کیا حالت تھی، اس سلسلے میں طائف اور مکّے وغیرہ کے حالات پیشِ نظر رکھنا ضروری ہیں۔ طائف کی وادی زرخیز تھی - تجارت میں گندم، منقی اور لکڑیاں نمایاں تھیں۔ یہاں کے لوگ عراق اور ایران سے تجارت کرتے تھے - طائف میں سود کا بھی رواج تھا۔ سرمایہ دار اور غریب طبقے کی کش مکش بھی شروع ہوگئی تھی - مکے میں ہاشم پہلے شخص ہیں جنھوں نے قریش کے لیے جاڑے اور گرمی کے موسموں کے دو سفر مقرر کیے اور ان سفروں کا ذکر قرآن کی سورہ ایلاف میں موجود ہے - غرض قریش تاجر لوگ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مکے کے مہاجرین مدینہ منورہ پہنچے تو انھوں نے سب سے پہلے یہ پوچھا کہ بازار کہاں ہے - نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی کاروبار کرتی تھیں - ابوجہل کی ماں عطر کا کاروبار کرتی تھی - حضرت خدیجہؓ کا تجارت کا کاروبار مشہور ہے - یہاں کے لوگ بڑے بڑے کاروباری کارواں لے کر جاتے تھے۔ ہاشم نے تجارتی معاہدے کیے، پھر ان کے بھائیوں نے تجدید کی - مختلف قبائل سے مفاہمت کی کہ قریش کے تجارتی قافلے امن سے گزریں، اور یہ قافلے ان قبیلوں کے لیے ضروری سامان بہم پہنچاتے تھے۔ اس طرح قریشی تاجروں کو دو فائدے تھے - مدینے میں بھی تجارت ہوتی تھی - یہاں کی تجارت میں یہودیوں کا زیادہ ہاتھ تھا، بلکہ تجارت کے اعتبار سے حجاز میں یہودیوں کا ایک خاص مقام تھا۔

بعد از اسلام

اسلام نے دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے فاسد اصولِ تجارت کو چھوڑ کر تجارت کے وہ اصول وطریق اختیار کیے جو انسانی معاشرے کے لیے مفید اور نافع ہوں۔ ان اصولوں کو اپنا کر مسلمانوں نے تجارت کو بڑی ترقی دی - ان کی اقتصادی حالت درست ہوئی اور فارغ البالی نصیب ہوئی - تجارت سے نہ صرف دنیوی فائدہ ہوا بلکہ تبلیغِ اسلام کا کام بھی باحسن وجوہ پورا ہوا - اس کا ثبوت چین، سماترا، جاوا، بورنیو، لنکا اور جنوبی ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود ہے کہ

تاجروں کے ذریعے سے ان علاقوں میں اسلام پہنچا اور پھیلا۔ تجارت فلاح و فارغ البالی کی ضامن ہے، انگریزوں کی مثال موجود ہے۔ اس تجارت کی بدولت ہی انگریزوں کو برّصغیر پاک و ہند کی حکومت حاصل ہوئی۔

اسلام نے تجارت کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے:

(۱) صحیح اصولِ تجارت (۲) فاسد اصولِ تجارت۔ اسلام صحیح اصولِ تجارت کا حامی ہے جو انسانیت اور معاشرے کے لیے فلاح و بہبود کا ذریعہ ہیں۔ فاسد اصولِ تجارت کی اسلام نہ صرف مخالفت کرتا ہے بلکہ ان کو بیخ و بن سے مٹا دینا چاہتا ہے، کیوں کہ فاسد اصولِ تجارت معاشرے میں غیر متوازی حقوق قائم کرکے معاشرے کی جڑیں کھوکھلی کرتے ہیں۔

بنیادی اصول

۱۔ چوں کہ تجارت کا انحصار باہمی تعاون پر ہے لہٰذا دونوں معاملہ داروں میں تعاون ہو اور ایک کو دوسرے کے نفع و نقصان کا خیال ہو اور گناہ وظلم کا شائبہ نہ ہو۔

۲۔ طرفین کی پوری رضامندی ہو۔ اضطراری کیفیت کا اعتبار نہیں۔

۳۔ اہلِ معاملہ، معاملہ داری کی پوری پوری اہلیت رکھتے ہوں، عاقل، بالغ اور آزاد ہوں، بچے، مجنون اور مجبور نہ ہوں۔

۴۔ معاملے میں کسی قسم کے دھوکے، فریب، خیانت، ضرر، نقصان اور معصیت کا دخل نہ ہو۔

اسلام ان اصولوں کے ساتھ تجارت کی اجازت دیتا ہے اور فاسد اصولِ تجارت کی اس کے یہاں کوئی گنجائش نہیں۔

فاسد اصول

۱۔ مال کی زیادتی اور حصول کا ایسا معاملہ جس میں باہمی تعاون قطعاً مفقود ہو۔ ایک کا نقصان اور دوسرے کا نفع ہو مثلاً جوا، لاٹری اور سٹے کے تمام اقسام ممنوع ہیں۔

۲۔ مالی نمو اور حصولِ نفع کا وہ معاملہ جس میں باہمی رضامندی پوری پوری اور حقیقی نہ ہو مثلاً سود کی لین دین یا اجیر کی زیادہ محنت کی اجرت مجبوری سے ناجائز اٹھا کر کم دینا۔

۳۔ ایسا کاروبار جو اسلام کی نگاہ میں معصیت ہو۔ مثلاً شراب، مردار، اصنام اور خنزیر

وغیرہ کی بیع و شریٰ اور ان اشیا کی خرید و فروخت جو نجس و ناپاک ہوں۔

۴۔ ایسے معاملات جن سے جانبین سے معاملہ ہونے کے باوجود جھگڑے کا اندیشہ ہو مثلاً قیمت وغیرہ میں ابہام یا مال کا بغیر دیکھے لے لینا وغیرہ۔

۵۔ ایسا معاملہ جس میں دھوکہ بازی ہو۔ درست چیز کا ذکر کر کے ناقص مال دے دینا یا کسی جگہ قحط پڑا ہو اور باہر سے مال آئے تو شہر کے باہر ہی کم قیمت پر خرید لینا۔

غرض اس قسم کے فاسد اصول اسلام کی نگاہ میں قابلِ قبول نہیں جن سے سماج اور معاشرے میں اصلاح کی بجائے خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اسلام ایک ایسے معاشرے کا حامی ہے جہاں مواسات، مساوات، ہمدردی اور باہمی اخوت و محبت ہو، نہ کہ جاگیردار و سرمایہ دار کا گروہ ایک طرف ہو اور دوسری طرف مفلس و قلاش گروہ ہو اور معاشرے میں جھگڑا اور فساد پیدا ہو۔

اسلام تجارت کے سلسلے میں دو چیزوں کا خاص طور سے مخالف ہے۔

۱۔ اکتناز، دولت کے عظیم الشان ذخیرے افراد کے پاس ہوں۔ اسی لیے اسلام نے خیرات، زکوٰۃ اور صدقات کا سلسلہ مقرر کیا ہے۔

۲۔ احتکار، غلہ وغیرہ جمع کر لینا۔ احتکار کی دوسری قسم ضحار ہے۔ اس میں جوئے وغیرہ کی شکلیں آجاتی ہیں۔ آج احتکار و اکتناز سے تجارت ملوث ہے اور دنیا ایک کربِ عظیم میں مبتلا ہے۔ زمانۂ سابق میں اس کی مختلف صورتیں تھیں۔ احتکار کی سب سے ملعون قسم سودی لین دین ہے۔ اسلام میں ربوٰ کا مفہوم مہاجنی سود سے وسیع ہے۔ اسلام نے ان سب کی جڑ کاٹ دی ہے۔ آج کل ربوا اور سود میں تجارتی طور سے کوئی فرق نہیں ہے۔ بینک، ہنڈیاں، غرض سود کی لعنت ہر جگہ موجود ہے اور انسانی معاشرہ تمام برائیوں اور خرابیوں کا سرچشمہ بن گیا ہے اسلام باہمی امداد کا منکر نہیں ہے، اسلام میں اس کی پوری پوری گنجائش ہے کہ باہمی اصول پر اجتماعی کمپنیاں بنا کر تجارت کی جائے، مگر اس میں سود کا ذکر تک نہ ہو۔

تجارت کے تین طریقے ہیں:

۱۔ انفرادی

۲۔ اجتماعی

۳۔ مضاربت

پہلی صورت یہ ہے کہ انسان خود سرمایہ لگائے اور خود ہی محنت کرے۔
دوسری صورت یہ ہے کہ چند اشخاص مل کر سرمایہ اور محنت کو استعمال میں لاکر تجارت کریں۔
تیسری صورت مضاربت کی ہے کہ ایک شخص روپیہ لگائے اور دوسرا محنت کرے اور نفع جس نسبت سے طے ہوجائے وہ تقسیم کرلیا جائے۔

مشترکہ تجارت چار طریقوں سے ہوسکتی ہے۔ اس کو اسلام نے چار مختلف ناموں سے واضح کیا ہے اور چاروں اپنی نوعیت کے اعتبار سے جداگانہ ہیں۔ (۱) شرکت المفاوضہ (۲) شرکت العنان۔ (۳) شرکت الوجوہ (۴) شرکت الصنائع۔

شرکت المفاوضہ

مفاوضہ کے معنی ہیں ایک دوسرے کو سونپ دینا۔ اس میں ہر حصے دار اپنا سرمایہ ایک دوسرے کو سونپ دیتا ہے۔ اس میں کل شرکا مساوی روپیہ یا زر لگاکر شریک ہوتے ہیں اور صرف زر میں شرکت ہوسکتی ہے، سامان میں نہیں۔

شرکت المفاوضہ کے لیے صرف دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط اس معاہدے کو متعین کرتی ہے۔ شرکا میں سے ہر ایک لفظ مفاوضہ یا اس کے ہم معنی لفظ ضرور استعمال کرے، جس کا ہماری زبان میں یوں ترجمہ کیا جائے گا کہ فلاں اور فلاں کے درمیان مساویہ شرکت کا معاہدہ ہے۔
دوسری شرط مساوات سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا یہ ضروری رکھا گیا ہے کہ اس شرکت کے تمام شرکا کی حیثیت مساوی ہو، جس کی تفصیل یہ ہے کہ دونوں کا سرمایہ، دونوں کے اختیارات اور دونوں کے تصرف کی صورتیں بالکل مساوی ہوں۔ لہٰذا یہ معاہدہ ایک بالغ اور بچے کے درمیان، ایک آزاد اور غلام کے درمیان نہیں ہوسکتا (بچے کی طرف سے اس کا ولی معاہدہ کرسکتا ہے)۔ اگر سرمایہ کم اور زیادہ ہوگا تو وہ شرکت تو ہوگی مگر شرکت المفاوضہ نہیں ہوگی۔

وکالت اور کفالت

اختیارات اور ذمہ داریاں

وکالت کے معنی ہیں اختیارات ذمہ داری اور جواب دہی کو دوسرے کے سپرد کردینا، کفالت

کے معنی ہیں ایک شخص کی ذمہ داری کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو بھی شریک کر دینا (اصل معنی ہیں جوڑنا اور قوت پہچانا)۔

اس معاہدے کی رُو سے ہر شریک اپنے ساتھی کا وکیل ہوتا ہے، اس لیے ہر ایک شریک دوسرے کی جانب سے مال فروخت کرنے، خریدنے، قرض دینے اور امانت رکھوانے کا مستحق ہے اور حق رکھتا ہے۔ اس طرح ہر شریک اپنے ساتھی کا کفیل بھی ہوتا ہے۔ یعنی ہر وہ معاملہ جو ایک شریک کرتا ہے، ذمہ داری اس کے ساتھی پر بھی آتی ہے۔

شرکت العنان

اس شرکت میں جتنے شرکا ہوتے ہیں وہ سب سرمایہ یا سامان سے شریک ہوتے ہیں، لیکن سرمایہ کا مساوی ہونا یا نفع، اختیارات اور تصرف کا مساوی ہونا اس شرکت میں ضروری نہیں ہے۔

شرائط :۔ شرکت العنان کی پہلی شرط ایک منفی (انکاری) شرط ہے جس کے بارے میں یہ خیال ہے کہ اگر یہ شرط ذکر نہیں کی جاتی ہے تو خود اس معاہدے کی نوعیت متعین نہیں ہو سکتی، کیوں کہ شرکت العنان کے معنی ہیں وہ شرکت جس میں سرمایہ، نفع اور اختیارات وغیرہ برابر نہ ہوں۔

۱۔ اس شرکت میں شرکا کے سرمائے کا مساوی ہونا ضروری نہیں۔

۲۔ جس طرح اس میں سرمائے کی برابری غیر ضروری ہے اسی طرح نفع کی برابری بھی غیر ضروری ہے، بلکہ اس شرکت میں یہ بات بالکل جائز ہے کہ تھوڑے سرمائے والا شریک زیادہ سرمائے والے شریک کے مقابلے میں زیادہ نفع کا مستحق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تھوڑا سرمایہ لگا کر شریک ہونے والا کاروباری تجربے کے اعتبار سے زیادہ سرمائے والے شریک کے مقابلے میں ممتاز ہو اور نفع کا حاصل ہونا اس کی تجربہ کارانہ تدبیروں کا نتیجہ ہو۔

۳۔ چوں کہ شرکت العنان میں مساوات کی شرط نہیں ہے، اس لیے یہ معاہدہ بالغ اور بچوں کے درمیان یا آزاد اور غلام کے درمیان ہو سکتا ہے بشرطیکہ غلام کو اس کا آقا اجازت دے دے۔

ذمہ داریاں اور اختیارات :۔ اس معاہدے میں ہر شریک، دوسرے کا صرف وکیل ہوتا ہے، کفیل نہیں بنتا، ہر ایک شریک مالی شرکت کو بیچنے اور خریدنے کا حق رکھتا ہے لیکن کسی شریک کو مالی شرکت میں قرض دینے کا حق نہیں ہے اور اگر کسی شریک نے دوسرے شرکا کی اجازت کے بغیر

کوئی قرض لیا ہے تو اس کی ذمے داری صرف اسی شخص پر ہوتی ہے، دوسرے شرکا پر نہیں ہوتی ہے۔

شرکت الوجوہ

وہ شرکت ہے جس میں شرکا میں سے کسی کا بھی زر نہ ہو بلکہ سب کی محنت ہو اور اس شرکت میں باہمی اعتماد پر کام کیا جاتا ہے، گویا چند اشخاص کا محض اپنی ساکھ کی بنا پر بغیر کسی سرمائے کے تجارتی کاروبار میں شریک ہو جانا ہے۔ شرکت الوجوہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ ہر شریک نفع نقصان میں برابر کا حصے دار ہو۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

شرکت الصنائع

اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ چند کاری گر عملِ پیدائش کو انجام دیں۔ شرکت الصنائع کے بارے میں امام شافعی کا اختلاف ہے، وہ اس کو درست نہیں سمجھتے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حصولِ منفعت کے لیے سرمایہ کا ہونا ضروری ہے، صرف محنت بدوں سرمایہ پیدائش کا ذریعہ نہیں بن سکتی، لیکن ان کے علاوہ دوسرے ائمہ نے اس کو جائز تصور کیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک تو اس میں اتنی وسعت ہے کہ دو مختلف ہنر یا پیشے والے جیسے درزی اور رنگریز چاہیں تو مل کر شرکت کا معاملہ کر سکتے ہیں یعنی جسے جو کام آتا ہے وہ انجام دے گا اور کمپنی کو جو نفع ہوگا وہ تقسیم کر لیا جائے گا۔

ان ائمہ کی پہلی اور بنیادی دلیل یہ ہے کہ عہدِ نبوی ؐ میں عبد اللہ ابنِ مسعود اور سعد اس قسم کی شرکت کا معاہدہ کر چکے ہیں (غزوہ بدر کے موقع پر ہتھیار بنانے کی صنعت میں شرکت کی تھی) اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا، لہٰذا اس کا جائز ہونا منشائے نبوی کے مطابق ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ محنت بھی ایک نوع کا سرمایہ ہے۔ امام سرخسی نے "المبسوط" میں محنت کو سرمایہ اور راس المال قرار دیا ہے۔ "راس مالھا صنعتھا" کے الفاظ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شرکت الصنائع میں شرکت الوجوہ کی طرح نفع و نقصان میں برابری ضروری نہیں بلکہ کاری گر اپنی محنت اور کاری گری کی حیثیت کے اعتبار سے باہم جس معاہدے پر رضامند ہو جائیں وہ قابلِ قبول ہوگا۔

امام مالک اور ان کے شاگرد نے "المدونۃ الکبریٰ" نامی کتاب میں اس شرکت کی اور بہت

سی قسمیں ذکر کی ہیں، مثلاً طبی شرکت کہ چند معالج مل کر ایک اسپتال قائم کریں، تعلیمی شرکت کہ چند اساتذہ مل کر ایک تعلیمی ادارہ قائم کریں، زرعی شرکت (مشترکہ کاشت)۔ المدونۃ الکبریٰ میں ان تمام صورتوں کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

شرکت کی بحث ختم کرتے ہوئے امام سرخسی کی نقل کردہ ایک شرط کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ شرکت کے معاہدے کی تکمیل کے لیے چاہے وہ کسی قسم کی شرکت ہو، دستاویز لکھی جانی ضروری ہے کیوں کہ یہ معاہدہ ایک مقررہ میعاد کے لیے ہوا کرتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ (البقرہ: ۲۸۲)

اے ایمان والو! جب تم ایک مقرر مدت تک کے لیے ادھار کا معاملہ کرنے لگو تو اسے لکھ لیا کرو۔

امام سرخسی اس آیت کے پیش نظر کہتے ہیں کہ شرکت کا معاہدہ بھی چوں کہ ایک مدت تک کے لیے ہے اس لیے اس کا لکھ لینا ضروری ہے۔ اس گفتگو کے بعد انھوں نے معاہدے کے فارم کا ایک نمونہ بھی پیش کیا ہے جس میں امورِ ذیل کی صراحت ضروری سمجھی ہے۔

۱۔ تاریخ معاہدہ

۲۔ شرکا کا نام

۳۔ مدتِ معاہدہ

۴۔ سرمایے کی تعداد

(شرکت الصنائع یا شرکت الوجوہ میں شے کی وضاحت کرنا)

اور اس بات کی صراحت کہ یہ سرمایہ شرکا کے قبضے میں فلاں مدت تک موجود ہے۔

مضاربت یا قراض

مضاربت اس کو کہتے ہیں کہ ایک شخص روپیہ لگائے اور دوسرا شخص محنت کرے اور نفع جس نسبت سے طے ہو جائے، وہ تقسیم کر لیا جائے۔ اسے شرکتِ مضاربت یا قراض اس لیے کہتے ہیں کہ قراض کے معنی ہیں سفر کرنا اور چوں کہ ایک شخص یعنی رب المال صرف روپیہ لگا کر سب ذمہ داریوں سے بری ہو جاتا ہے اور دوسرا شخص پوری محنت کرتا ہے یا قراض کے معنی ہیں قرضہ دینے کے، چوں کہ یہ ایک قسم کا احسان ہوتا ہے جو ایک شخص پر دوسرا شخص کرتا ہے۔

ایک شخص دوسرے کو اپنا روپیہ دیتا ہے تاکہ وہ اس کو اپنی تجارت میں لگائے، اس لیے اس کو قراض بھی کہتے ہیں۔

مضاربت پر بحث کرنے کے لیے درج ذیل چار چیزیں زیرِ غور ہیں:۔

(۱) سرمایہ

(۲) سرمایہ دار

(۳) محنت

(۴) نفع

۱۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ مضاربت صرف زر ہی میں ہوسکتی ہے سامان میں نہیں، اور اس پر کل فقہا متفق ہیں، سوائے قاضی ابن ابی لیلیٰ کے، ان کا کہنا ہے کہ مضاربت سامان میں بھی ہوسکتی ہے جب کہ قیمتِ خرید مقرر کر دے۔ لیکن چوں کہ سامان کی صورت میں، رب المال اور مضروب کے درمیان اختلاف ہوسکتا ہے، اس لیے تمام فقہا اس سے اختلاف کرتے ہیں۔

۲۔ رب المال، تمام سرمایہ مضروب کو اس طرح سپرد کر دے کہ اس کا کوئی قبضہ اس پر نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ اس امر کا بھی مجاز نہ ہو کہ بغیر مضروب کی خواہش کے اس کو کسی معاملے میں مشورہ دے، البتہ اگر مضروب کسی مشورے کا خواہش مند ہے تو وہ اسے مشورہ دے سکتا ہے۔

۳۔ عامل یا مضروب کے لیے سب سے ضروری اور پہلی چیز یہ ہے کہ وہ ان تمام شرائط کی پوری طرح پابندی کرے جو رب المال اور اس کے درمیان طے پائی ہیں اور یہاں تک کہ اگر اس شرط میں کسی خاص مقام پر اور کسی خاص شے کی تجارت کرنے کا ذکر ہے تو مضروب کو چاہیے کہ ان شرائط کے مطابق عمل کرے۔

۴۔ حصولِ نفع کی بھی تمام شرطیں اس طرح پر طے ہوں کہ کل حاصل شدہ نفع کا اس قدر فی صد رب المال کا اور اس قدر فی صد مضروب کا ہے۔ سہام یعنی مقدار کی شکل درست نہیں، مثلاً یہ کہ رب المال پانچ سو روپیہ نفع لے اور باقی مضروب لے، یا مضروب کے پانچ سو روپے اور باقی رب المال کے، بلکہ شرح فی صد مقرر ہو، جس کی صورت میں رب المال اور مضروب کے درمیان نفع تقسیم ہوا کرے۔

وضاحت

اگر مضروب بسلسلہ تجارت سفر کرتا ہے تو سفر کے اخراجات راس المال میں شمار کیے جائیں گے نہ کہ نفع میں، اور سچ وہ خالص آمدنی ہے جیسا کہ نفع کی نوعیت اور لغوی معنی سے ظاہر ہے، گویا نفع وہ خالص آمدنی ہوگی جس میں کسی قسم کی کوئی دوسری چیز شامل نہ ہو سوائے اس روپیہ کے جو اخراجات کے بعد بطور اضافہ حاصل ہوا ہے۔

مضاربت کا طریقہ عرب میں اسلام سے پہلے رائج تھا اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے قبل عادل کی حیثیت سے یہ معاملہ کیا ہے۔ اسلام چوں کہ ہر مفید معاملے کو جائز شکل میں باقی رکھنے کا حامی ہے اس لیے نبوت کے بعد بھی صحابہ کرام مضاربت کرتے رہے اور حضورؐ نے بجائے منع فرمانے کے اس کی ہمت افزائی فرمائی۔

برصغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ :- از محمد اسحاق بھٹی

اس کتاب میں سلطان غیاث الدین بلبن (۶۸۶ھ) کے عہد سے لے کر سلطان اورنگ زیب عالمگیر (۱۱۱۸ھ) کے عہد تک کی تمام فقہی مساعی کا احاطہ کیا گیا ہے اور تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ برصغیر پاک و ہند علمِ فقہ سے کس طرح روشناس ہوا، یہاں کے علما و زعمانے کس محنت وجاں فشانی سے اس کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کیا اور کن اہم فقہی کتابوں کی تدوین کی۔ برصغیر پاک و ہند کے جن سلاطین کے دَورِ حکومت میں کتبِ فقہ مرتب کی گئیں، ان کے عہد اور طریقِ حکومت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس زمانے کے علمائے کرام کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ یہ حکمران علم و علما سے کس درجہ تعلق و ربط رکھتے تھے۔ پھر فقہ کی جن کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے، ان کے اہم اقتباسات بھی فاضل مصنف نے درج کتاب کیے ہیں۔ آخر میں فقہ کی ان مشہور اکیاسی کتابوں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں، جو مختلف ملکوں میں تصنیف کی گئیں اور جن کو مسائلِ فقہ کے اصل مآخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس موضوع سے متعلق اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے۔

صفحات : ۴۰۸ قیمت : -/۱۵ روپے

ملنے کا پتا :- ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور